نازیہ ملک

اردو فکشن پر حقیقت نگاری کے اثرات

The movement of realism and realistic striting was also the driving force of creative literarywork of its time. It affected Urdu literature equally forcefully and was multi-dimensional movement in many ways. The impact of realism in novel was , at many levels being the novelist closer to the novelists of other countries and also to the existing situation of the contemporary world. An extensive review is being given on the theme.

~~~~~~~~~~

مغربی ادب کا اثر ہمارے ادب پر دو طرح سے ہوا ہے۔ ایک تو انفرادی اثر، یعنی بعض انفرادی ادیبوں کا اثر ہمارے خاص خاص لکھنے والوں پر ہوا اور دوسرا مجموعی اثر یعنی مجموعی طور پر مغرب کے ادبی مزاج مغرب میں نئے نئے رجحانات اور نئی نئی تحریکوں کا اثر ہوا۔

مغربی فکشن میں حقیقت نگاری، فطرت نگاری اور شعور کی رو کی جو تحریکات چلیں ان میں سے اردو فکشن پر سب سے مضبوط اور دور رس گرفت حقیقت نگاری کی تحریک دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہم باقی تحریکوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے کیونکہ ان تحریکوں نے بھی کہیں کہیں اردو ادب کو متاثر کیا ہے۔

حقیقت نگای کی تحریک کے بانی انیسویں صدی کے عظیم فرانسیسی ناول نگار فلابیر
~~~~~~~~~~

(۱۸۸۱ء۔۱۸۲۱ء) کو مانا جاتا ہے۔ اگرچہ فلابیر کو حقیقت نگاروں کے سکول سے نفرت تھی لیکن اس کے شہرہ آفاق ناول'' مادام بواری'' کی اشاعت کے بعد فرانس میں فلابیر کو حقیقت نگاری کا خاص مفسر تسلیم کیا جانے لگا اور بقول فلابیر کے اس نے یہ ناول حقیقت نگاری سے نفرت کی بنا پر لکھا تھا۔

سرسید کے ساتھ اردو ادب میں جہاں اور بہت کچھ آیا وہاں حقیقت نگاری بھی آئی۔ ان سے پہلے اردو ادب میں تخیل کی کارفرمائی زیادہ تھی۔ جس کا ایک نتیجہ ہر چیز کے مبالغہ آمیز بیان کی شکل میں موجود تھا۔

فطرت نگاری کا آغاز بھی انیسویں صدی میں فرانس میں ہوا۔ اس کی ابتداء ۱۸۶۸ء میں فلابیر کے ہم عصر ایملی ژولا کے ایک ناول کی اشاعت سے ہوئی۔ ژولا نے ایک ناول کے دوسرے ایڈیشن میں پہلی مرتبہ لفظ فطرت نگاری استعمال کیا۔

فطرت نگاری فکشن میں انسان کے موروثی اثرات اور ماحول کے اثرات کا مطالعہ کرتی ہے۔ فطرت نگاری دراصل حقیقت نگاری سے ایک درجہ آگے کی چیز ہے۔ کبھی کبھی فطرت نگاری کو سخت تر حقیقت نگاری بھی کہا جاتا ہے۔ فطرت نگاروں کا خیال تھا کہ حقیقت نگار زندگی کے تمام پہلوؤں کو پیش نہیں کرتے۔ اس لیے فطرت نگاروں کا خیال یہ تھا کہ زندگی سے متعلق ہر بات پیش کی جائے۔ اردو ادب میں فطرت نگاری کی کوئی باقاعدہ تحریک چلی نہ فطرت نگاری کے بنیادی مفروضات ونظریات کو سامنے رکھ کر ادب تخلیق کرنے کی کوشش کی گئی۔ تاہم اردو ادب میں کہیں کہیں فطرت نگاری کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے۔ خصوصاً ایسے اردو فکشن کو جہاں صرف بدی کو موضوع بنایا گیا ہے اور زندگی کے بعض معاملات میں عریاں نگاری سے کام لینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً بانو قدسیہ، عصمت چغتائی، سعادت حسن منٹو اور ممتاز مفتی جیسے افسانہ نگاروں اور ناول نگاروں کے ہاں زندگی کی جو تصویریں ملتی ہیں وہ صداقت کے اعتبار سے حقیقت نگاری کے بجائے فطرت نگاری

کے خانے میں رکھی جاسکتی ہیں۔

اور جہاں تک شعور کی رو کا تعلق ہے تو یہ ڈاکٹر محمد حسن کے خیال میں:

''شعور کی رو کا تصور امریکی ماہر نفسیات جیمز ولیم کی عطا ہے۔''(۱)

شعور کی رو کا استعمال سب سے پہلے ڈوروتھی رچرڈسن (۱۹۵۷ء۔۱۸۷۳ء) نے اپنے ناول میں کیا۔ اس کے بعد اس کی ہم عصر ناول نگار ورجینا ولف نے اپنے ناولوں میں اس میں تکنیک کو بہتر طریقے سے استعمال کیا اور رچرڈسن کے دوسرے ہم عصر ناول نگار جیمس جوائس نے اس تکنیک کو نقطہ کمال پر پہنچا دیا جہاں سے آگے لے جانا ممکن نہیں رہا۔

اردو ادب میں شعور کی رو یا اندرونی خود کلامی کا استعمال بہت کم ہوا ہے۔ حسن عسکری کے بعض افسانوں مثلاً 'چائے کی پیالی'' ''حرامجادی'' ''قیامت ہمرکاب آئے نہ آئے'' اور قراۃ العین حیدر کے ناول'' آگ کا دریا'' کے سوا اس تحریک کا استعمال اور کہیں نہیں ہوا۔ مرزا حامد بیگ صاحب محمد حسن عسکری کے افسانوں کے بارے میں کہتے ہیں:

'' افسانوی تدبیرکاری کے اعتبار سے محمد حسن عسکری شعور کی رو کو ایک نئی کروٹ سے آشنا کرنے میں کامیاب ہوا اور اس نوع میں وہ جوائس کی طرح نمایاں ہیں۔ جوائس کی نسبت عسکری کی تدبیرکاری مختلف ہے۔ محمد حسن عسکری نے ''عقلیت'' اور ''منطقیت'' کی مطیع شعور کی رو برتی ہے۔''(۲)

اس کے علاوہ شعور کی روایت کے تسلسل میں قراۃ العین حیدر کے افسانے ''جلاوطن'' '' پرواز کے بعد'' '' ہم لوگ'' کے نام نمایاں ہیں اور حیات اللہ انصاری کے افسانے ''چچا جان'' متاز شریں کے ''کفارہ'' اور دیواندراستر کے ''زندگی یوں بھی گزر جاتی ہے'' میں شعور کی رو نظر آتی ہے۔

جہاں تک حقیقت نگاری کی تحریک کا تعلق ہے تو اس تحریک نے جہاں اردو ناول

کو متاثر کیا وہاں شروع سے لے کر آخر تک اردو افسانے پر بھی اس کے اثرات واضح دیکھے جاسکتے ہیں۔

اردو ناول نگاری کا باقاعدہ طور پر آغاز مولوی نذیر احمد سے ہوتا ہے۔ ان کا ناول ''مراۃ العروس'' جس نے اردو ناول کو فرضی اور خیالی واقعات کی دنیا سے نکال کر حقیقت کی دنیا میں لایا اردو کا پہلا باقاعدہ ناول قرار پایا۔ نذیر احمد نے مسلمانوں کی اصلاح کے لیے اور بھی ناول لکھے جن میں ''توبۃ النصوح'' ''ابن الوقت'' ''فسانہ مبتلا'' ''رویائے صادقہ'' اور'' بنات النعش'' وغیرہ شامل ہیں۔ اس کے علاوہ رتن ناتھ سرشار نے ''فسانہ آزاد'' میں لکھنوی تہذیب کا حقیقت نگاری سے جائزہ لیا۔ سرشار کے بعد عبدالحلیم شرر کا نام آتا ہے جنہوں نے تاریخی ناول لکھ کر حقیقت نگاری میں اہم نام پیدا کیا۔ ان کے ناول ''فردوس بریں'' کو اس سلسلے میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

سرشار اور عبدالحلیم کے بعد مرزا ہادی رسوا کا نام قابل ذکر ہے۔ جنہوں نے ''امراؤ جان ادا'' جیسا ناول لکھ کر لکھنوی تہذیب کی بڑی عمدہ عکاسی کی ۔رسوا کے بعد راشد الخیری کا نام لیا جاتا ہے جنہوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے مسائل کو موضوع بنایا اور عورتوں کی مظلومیت کی بڑی دردناک تصویریں اپنے ناولوں میں پیش کیں۔ان کے مشہور ناول ''سیلاب اشک'' ''صبح زندگی'' ''شام زندگی'' جوہر عصمت وغیرہ ہیں۔

پریم چند نے اردو ناول نگاری میں قابل قدر اضافہ کیا۔ ان کا نقطہ نظر بھی اصلاحی تھا۔ انہوں نے پہلی بار ہندوستان کے غریب دیہاتوں اور کسانوں کی زندگی کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ وہ قدیم روایات اور مشرقی اقدار کو دوبارہ زندہ کرنا چاہتے تھے۔ پریم چند نے حقیقت نگاری کو اپنے ناولوں کا موضوع بنایا۔ چنانچہ موضوعاتی اور فنی لحاظ سے اردو ادب میں ترقی پسند تحریک کے لیے پریم چند کے ناول نے بنیاد فراہم کی۔ پریم چند کے مقبول ناولوں میں ''بیوہ'' ''بازار حسن'' ''چوگان'' ''ہستی'' ''میدان عمل'' اور'' گئودان''

شامل ہیں۔ پریم چند کے بعد جن لوگوں نے حقیقت نگاری کو سامنے رکھتے ہوئے ناول لکھے ان میں مرزا سعید کا ''خواب ہستی'' یاسمین کشن پرشاد کا ''شاما'' نیاز فتح پوری کا ''شہاب کی سرگزشت'' اور عظیم بیگ چغتائی کے ناول ''کولتار'' اور ''شریر بیوی'' شامل ہیں۔

کرشن چندر کے بعد جو ناول نگار گزرے ان تک آتے آتے خارجی حالات ٹھوس عقلیت کو چھو رہے تھے۔ڈاکٹر خالد اشرف کے بقول:

''پریم چند کے بعد جس نسل نے ناول نگاری میں قدم جمایا وہ جدید سائنسی علم پر مبنی فکر سے متاثر تھی۔''(۳)

ڈاکٹر قمر رئیس کے مطابق:

''ان لوگوں کے پاس بشریت اور عقل کی نئی کسوٹی تھی۔''(۴)

اس دور میں جو اردو ناول نگار سامنے آئے ان میں ترقی پسندانہ رجحانات کا واضح اثر ہے۔ ان ناول نگاروں میں عصمت چغتائی ،کرشن چندر اور عزیز احمد کا نام سرفہرست ہے۔عصمت کا ناول ''ٹیڑھی لکیر'' ''ضدی'' اور عزیز احمد کا ''ہوس'' اور ''گریز'' بہت اہم ہیں۔

اس کے بعد ہمیں تقسیم کے بعد بہت سے ایسے ناول نگار نظر آتے ہیں جنہوں نے تقسیم کے نتیجے میں ہونے والے فسادات کو اپنے ناولوں کا موضوع بنا کر حقیقت نگاری کی روایت کو آگے بڑھایا۔ ان میں ہمیں ڈاکٹر احسن فاروقی کے دو ناول ''شام اودھ'' اور سنگم نظر آتے ہیں جن میں انہوں نے اودھ کی اجڑی ہوئی تہذیب کے ٹکڑوں کو یکجا کر کے تصویر بنانے کی بڑی کامیاب کوشش کی۔ اس کے علاوہ قرۃ العین حیدر کا نام آتا ہے جس کے دو ناول ''میرے بھی صنم خانے'' اور ''آگ کا دریا'' اہم ہیں۔ جن میں لکھنو کی پرانی زندگی کو پر اثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ قراۃ العین کے بعد نثار عزیز بٹ کے تین ناول ''نگری نگری پھرا مسافر'' ''نے چراغے نے گلے'' اور ''کاروان وجود'' بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ شوکت صدیقی کے ناول ''خدا کی بستی'' اور ''جانگلوس'' بھی حقیقت نگاری کی اہم

مثال کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔

اس کے بعد فضل احمد کریم فضلی کا ناول'' خون جگر ہونے تک'' قحط بنگال'' کی ہولناکیوں کی خوف ناک تصویر ہے، ناول میں انسانی رشتوں کی بھوک کے مقابلے میں پائمالی ایک مرکزی خیال ہے جس کے گرد ناول کی کہانی بنی ہے۔اس کے بعد پاکستانی ادبی تاریخ کا ضخیم اور بڑا ناول ''علی پور کا ایلی'' سامنے آتا ہے۔ ممتاز مفتی نے اس ناول میں نفسیات کو مرکزی موضوع بنایا لیکن اس کے ساتھ ساتھ تقسیم ہندوستان کو بھی پیش کیا ہے۔

خدیجہ مستور کا ''آنگن'' گھریلو زندگی کی اونچ نیچ کا خوب صورت مرقع ہے جہاں خارجی حالات گھر کی اندرونی سطح تک اتر کر فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔اس کے بعد جمیلہ ہاشمی کا''تلاش بہاراں'' اور''دشت سوس'' بھی حقیقت نگاری کی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں۔ تلاش بہاراں سماج کا احاطہ کرتا ہے جب کہ دشت سوس منصور حلاج کی سرگزشت ہے۔

غلام عباس کا''کوندنی والا تکیہ'' بیرون ملک جا کر واپس آنے والوں کے تاثرات اور کھوئے ہوؤں کی عمدہ عکاسی ہے۔

انتظار حسین کا''بستی'' اور تذکرہ بھی اپنی جگہ اہم ہیں اور دونوں ناولوں پر انتظار حسین کا انداز بیان جو اکثر ٹوسٹلجیا حدود کے اندر رہتا ہے چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔بستی تقسیم ہجرت اور اپنی اصل جڑوں کی تلاش کی کہانی ہے۔ اس کے علاوہ عبداللہ حسن کا ''اداس نسلیں'' بھی حقیقت نگاری کے ضمن میں اہم مقام رکھتا ہے۔ جس میں تقسیم ہند اور جذباتی نفسیات کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔

بانو قدسیہ کا''راجہ گدھ'' ناول نگاری کی تاریخ کا روشن باب ہے۔ یہ ناول بنیادی طور پر ابنارملٹی یا پاگل پن کی وجوہات کا احاطہ کرتا ہے۔ راجہ گدھ کے علاوہ ڈاکٹر انور سجاد کا''خوشبوں کا باغ'' انیس ناگی کا دیوار کے پیچھے بھی حقیقت نگاری کے اہم حوالے ہیں۔

اردو ناول کے بعد جس صنف کو حقیقت نگاری نے متاثر کیا وہ افسانہ ہے اور اردو افسانے کی روایت کا رشتہ براہ راست پریم چند کی حقیقت نگاری سے وابستہ ہے کیونکہ اردو افسانے میں حقیقت نگاری کی ابتداء سب سے پہلے پریم چند نے کی۔ پریم چند نے اردو افسانے کو داستانی ماحول سے نکالا اور اس کا رشتہ زندگی کے ساتھ قائم کردیا۔'' سوز وطن'' ان کا پہلا مجموعہ ہے۔ پریم چند کے افسانوں کی اہمیت یہ ہے کہ انہوں نے حقیقت، واقعیت اور تصوریت میں ایک امتزاج پیدا کیا۔ انہوں نے اپنے گہرے مشاہدے اور فطرت انسانی کے مطالعے سے اپنی کہانیوں میں حقیقت کا ایک رنگ بھر دیا۔ ترقی پسند تحریک کے سالانہ اجلاس کے موقع پر پریم چند نے اپنے افسانوں میں حقیقت نگاری کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ:

'' ہماری کسوٹی پر اب وہ ادب پورا اترے گا جس میں تفکر ہو، آزادی کا جذبہ ہو، حسن کا جوہر ہو، تعمیر کی روح ہو، زندگی کی حقیقتوں کی روشنی ہو، جو ہم میں حرکت، ہنگامہ اور بے چینی پیدا کرے، سلائے نہیں کیونکہ اب زیادہ سونا موت کی علامت ہے۔''(۵)

پریم چند نے اپنے افسانوں میں ایسے معاشرے کی عکاسی کی ہے جہاں انسان انسانی اقدار کو خیرباد کہہ کر حیوان بنتا جا رہا ہے۔ ان کا افسانہ ان کے ان حقیقت پسندانہ خیالات کی بہترین عکاسی ہے۔

''کیسا برا رواج ہے کہ جسے جیتے جی تن ڈھانکنے کو چیتھڑا بھی نہ ملے اسے مرنے پر نیا کفن چاہیے۔''(۶)

'' ہاں بیٹا بیکنٹھ میں جائے گی۔ کسی کو ستایا نہیں، کسی کو دبایا نہیں، وہ بیکنٹھ میں نہ جائے گی تو کیا یہ موٹے موٹے لوگ جائیں گے جو گریبوں کو دونوں ہاتھ لوٹتے ہیں۔''(۷)

۴۔ قمر رئیس ڈاکٹر، ترقی پسند ادب، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۶۵
۵۔ مرزا حامد بیگ، افسانے کا منظرنامہ، مکتبہ عالیہ لاہور، ص ۱۸
۶۔ پریم چند، کفن (میرے بہترین افسانے) ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۶ء، ص ۲۳۲
۷۔ پریم چند، کفن (میرے بہترین افسانے)، ص ۲۳۳
۸۔ کرشن چندر، بند گلی کی منزل، مشمولہ عصری ادب، مدیر محمد حسن، اپریل ۱۹۷۰ء، ص ۶